© rasailojaraid.com

ایک مذاکرہ

# مغرب میں اہل اسلام

مغرب میں رہنے والے مسلمانوں کی جانب سے اکثر استفسارات اسلامی نظریاتی کونسل کو موصول ہوتے رہتے ہیں۔ ان استفسارات کی تعداد ۱۱/۹ کے بعد قابل ذکر حد تک بڑھ گئی ہے۔ حال ہی میں، آسٹریلیا کی ایک مسلم آرگنائزیشن کی طرف سے ایک قسم کا دردناک مراسلہ موصول ہوا، جس میں کہا گیا ہے کہ مغربی میڈیا اور دانشور اسلام کے بارے میں بعض سوالات کر رہے ہیں، جن کے جوابات علماء لازماً دیں۔ فی الحقیقت یہ سوالات نئے نہیں ہیں لیکن موجودہ تناظر میں بالخصوص دہشت گردی کے مسئلے نے ان سوالات کو پیچیدہ بنا دیا ہے۔ مسلمانوں کی جانب سے دو قسم کے جوابات سامنے آئے ہیں۔ ایک جواب یہ ہے کہ یہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف محض الزامات ہیں اور اسلام امن، مذہبی آزادی اور پر امن بقائے باہمی کا مذہب ہے۔ دوسرا مکتبۂ فکر اس تاریخی تجربے اور ان اسلامی تعلیمات کا حوالہ دیتا ہے، جو اسلام کے دشمنوں پر اندھے اعتماد کی اجازت نہیں دیتیں۔ اسلام سے خوفزدہ لوگ جنھیں مغربی میڈیا میں نمائندگی حاصل ہے، وہ مسلمانوں کے اس ردعمل سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور مغربی ممالک میں مسلمان شہریوں کی وفاداری کو چیلنج کرتے ہیں۔ اس تنظیم نے کونسل سے اپیل کی ہے کہ کونسل اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور کرے اور اس بحران کے بارے میں مسلمانوں کی جانب سے ایک مناسب جواب وضع کرنے میں مدد کرے۔

کونسل نے اس موضوع پر ۲۶ ستمبر ۲۰۰۵ء کو ایک پینل مباحثہ منعقد کرایا۔ ڈاکٹر منظور احمد، ڈاکٹر خالد علوی اور جناب محبوب صدا پینل میں شامل تھے۔ ڈاکٹر منظور احمد، رکن اسلامی نظریاتی کونسل، ایک معروف مفکّر اور فلسفی ہیں، جنھوں نے کئی سال یو کے اور یو ایس اے میں تعلیم حاصل کی اور وہاں درس و تدریس کے شعبہ سے منسلک رہے ہیں اور اس موضوع پر ان کی کافی تحریریں موجود ہیں۔ ڈاکٹر علوی، دعوۃ اکیڈمی، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد میں ڈائریکٹر جنرل ہیں، انھوں نے یو کے میں مسلم برادری کے ساتھ مل کر کام کیا ہے اور اس قسم کے مسائل سے ان کا واسطہ رہا ہے۔ جناب سادا کرسچین سٹڈی سنٹر، راولپنڈی کے ڈائریکٹر ہیں اور کئی سالوں سے کرسچین مسلم تعلقات کے لیے کام کر رہے ہیں۔ مباحثے میں نظامت کے فرائض ڈاکٹر محمد خالد مسعود چیئرمین کونسل نے انجام دیئے۔ نقل مکانی، اقلیتوں اور عالمگیر اخلاقیات کے مسائل پر ان کی نظریاتی تحریریں بہت معروف ہیں۔ کونسل کے ارکان جسٹس (ر) حاذق الخیری، حاجی محمد حنیف طیّب، مولانا عبداللہ خلجی، جسٹس رشید احمد جالندھری، جسٹس (ر) منیر احمد مغل، سید دامن علی شاہ، سید ذاکر حسین شاہ سیالوی، ڈاکٹر سید بی بی اور علامہ عقیل ترابی نے مباحثہ میں شرکت کی۔ ڈاکٹر خاکوانی، علامہ اقبال یونیورسٹی اور جناب خالد رحمان، انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز اور دیگر شرکاء نے بھی مباحثے میں حصہ لیا۔

آسٹریلیا سے بھیجے گئے اس خط میں کئی سوالات اٹھائے گئے ہیں، جو مندرجہ ذیل مسائل سے متعلق ہیں:

۱۔ جہاد اور اسلام کا پھیلاؤ

۲۔ مذہبی آزادی اور ارتداد کی سزا

۳۔ غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کی نوعیت، مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان معاہدوں کی جائز حیثیت، اور غیر مسلم ممالک میں رہنے والے مسلمانوں کی اپنے میزبان ممالک سے وفاداری کا مسئلہ۔

ڈاکٹر علوی نے وضاحت کی کہ یہ سوالات نئے نہیں ہیں لیکن موجودہ مخصوص عالمگیر تناظر کو سمجھے بغیر صحیح طور پر ان کی اہمیت واضح نہیں ہوتی۔ مغربی ممالک عالمگیر قیادت کا ایک مخصوص ایجنڈا رکھتے ہیں، جو ان کے یقین کے مطابق تقریباً مکمل ہو چکا ہے۔ ان کے مطابق ان کے سیاسی ایجنڈا کی تکمیل کے راستے میں واحد رکاوٹ مسلمانوں کی طرف سے ہے۔ لہذا مغرب اسلام اور مسلمانوں کو شعوری، سماجی اور تہذیبی سطح پر نشانہ بنا رہا ہے۔ ان کا یہ اعتقاد ہے کہ جب تک اسلام باقی ہے، عالمگیریت کا مکمل حصول ناممکن ہے۔ نو آبادیاتی پھیلاؤ کے زمانہ میں مسلمانوں کے ساتھ مقابلہ کے وقت سے یورپ کو اسلام کی طرف سے ایک سخت قسم کے ثقافتی اور شعوری چیلنج کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ اسلام کے بارے میں آج کل جو سوالات اٹھائے جا رہے ہیں، درحقیقت یہ سوالات پہلی مرتبہ اس وقت اٹھائے گئے تھے، جب برطانیہ کے زیر تسلط ہندوستان میں جہاد اور ارتداد کے سوالات زیر بحث تھے۔ سرسید، چراغ علی اور دیگر ایسے مسلمان تھے، جنھوں نے جہاد کی دوبارہ تشریح کا مطالبہ کیا تھا۔ اسی طرح ارتداد کا مسئلہ مسلسل زیر بحث رہا ہے۔ پاکستان میں مولانا مودودی، جسٹس ایس اے رحمان اور دیگر نے مختلف نقطۂ ہائے نظر سے اس مسئلے کا تجزیہ کیا ہے۔ ان مسائل اور مماثل نوعیت کے دیگر مسائل پر بحث جاری رہتی ہے کیونکہ مفہوم کی مختلف صورتوں کے بارے میں مسلمانوں کے درمیان اختلاف رہا ہے۔ کیا یہ اسلامی یا سیکولر ہونا چاہیئے؟ مغرب کا بنیادی نظریہ سیکولر ہے۔ اسلام کا بنیادی نظریہ اسلامی روایت سے واضح ہوتا



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔اس بنیادی نظریہ کے بغیر کوئی حل ممکن نہیں ہے۔ اپنا بنیادی اصول اور نظریہ واضح کرنے کے بعد ڈاکٹر علوی نے ان مسائل پر اسلامی موقف واضح کرنے کے لیے اسلامی تاریخ میں موجود بعض حقائق پر روشنی ڈالی۔ اسلام پہلا اور واحد مذہب ہے جس کا دوسرے مذاہب کے بارے میں موقف واضح ہے۔ اسلامی سماجی نظام کی بنیاد اسلام ہے۔ پیغمبر ﷺ نے امتیاز کا اصول اور اسلامی معاشرے کا معیار وضع فرمایا۔ جو بات مسلمانوں کو بت پرستوں سے اور اہل کتاب کو یقین نہ کرنے والوں سے ممتاز کرتی ہے، وہ محمد ﷺ کی رسالت پر یقین ہے اور اس کی وضاحت سورۃ البیّنۃ میں تفصیل کے ساتھ کر دی گئی ہے۔ مسلمانوں کی جماعت اس امتیاز پر مبنی تھی اور یوں محمد ﷺ کی پیغمبری کے لیے دعوت کی جماعت (دعوۃ) بیان کی گئی ہے۔ بطور مشنری کسی معاشرے کی مندرجہ ذیل دو صورتوں میں سے کوئی ایک صورت ہو سکتی ہے۔ پہلی صورت میں اکثریت دعوت سے انکار کرتی ہے اور دوسری صورت میں اقلیت دعوت کی مزاحمت کرتی ہے۔ یوں، منکرین (غیر مسلم) کے ساتھ تعلق سے دو صورتوں میں سے کوئی ایک صورت پیدا ہوتی ہے: کمزوری کی صورت، جس میں اکثریت منکرین کی ہوتی ہے اور مسلمانوں کے غلبہ کی صورت۔ اسی تناظر میں مسلمانوں کی تشریح یا تو بطور اکثریتی یا بطور اقلیتی جماعت کی جاسکتی ہے۔

اسی طرح غیر مسلم یا تو امن چاہتے ہیں یا جارح ہوتے ہیں۔ تاریخی طور پر تمام مشنری تحریکوں کو معاشرے کے سربراہان کی جانب سے جارحانہ انکار کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ قرآن اس جارحانہ سیاسی مخالفت کو، 'الملأ' کہتا ہے اور اس قسم کے لوگ کبھی بھی امن نہیں چاہتے۔ اسلام کا تجربہ مختلف نہیں تھا۔ قریش کی مخالفت سیاسی اور جارحانہ تھی۔ اسلامی اصطلاح میں ہم اسے متشدد کفر کہہ سکتے ہیں۔ عام غیر مسلم آبادی کے ساتھ امن اور دوستی کی بات کی جاسکتی ہے لیکن جارح دشمنوں کے ساتھ نہیں۔ وہ صرف قوت اور طاقت کی زبان سمجھتے ہیں کیونکہ یہ ان کا معمول ہوتا ہے۔

> اسلام کے بارے میں جو سوالات اٹھائے جا رہے ہیں، یہ اس وقت بھی اٹھائے گئے تھے، جب برطانیہ کے زیر تسلط ہندوستان میں جہاد اور ارتداد کے سوالات زیر بحث تھے۔

اب پینل مباحثہ کے لیے سوال کے جواب کی طرف آتے ہیں۔ اوپر دی گئی صورت حال کو مدنظر رکھتے ہوئے مسلمانوں اور دیگر لوگوں کے درمیان تعلق کو دو طرح سے بیان کیا گیا ہے: کمزوری کی صورت اور غلبہ کی صورت۔ جب مسلمان کمزور ہوں تو تین اقدار کو مدنظر رکھتے ہوئے انہیں دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کی وضاحت کرنی چاہیئے: اسلام کی دعوت، صبر اور ثابت قدمی اور میزبان معاشرے کی جانب سے وضع کی گئی حدود سے تجاوز کیے بغیر زندگی گزارنا۔ بہ الفاظ دیگر مسلمان اسلام کے لیے اپنا مشن جاری رکھیں، جہاں رہتے ہیں ان ممالک کے قوانین کی خلاف ورزی نہ کریں اور صبر کے ساتھ مشکلات کا سامنا کریں۔ اس کے برعکس جب مسلمان طاقت میں ہوں تو انہیں برداشت اور آزادی اظہار کے اقدار کی پابندی کرنی چاہیئے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمان ماضی اور حال میں بھی دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں دوسروں کو زیادہ برداشت کرتے آرہے ہیں۔ مغربی اقوام جو روشن خیالی اور جدت کی علمبردار ہیں، اپنے نوآبادیاتی دور میں بے مثال عدم برداشت کا مظاہرہ کر چکی ہیں۔ آزادی اظہار بشمول مذہبی آزادی کے اصول کا جہاں تک تعلق ہے، اسلامی قانون اسلامی ریاست میں کسی غیر مسلم کی قانونی حیثیت کے مطابق اسے آزادی کی اجازت دیتا ہے۔ فقہاء نے اس قانونی حیثیت کی وضاحت اسلامی ریاست کے تحت آنے والی کسی غیر مسلم جماعت کی بنیاد پر کی ہے۔ ان کے حقوق فتح اور معاہدہ کی صورت میں مختلف ہوتے ہیں۔ ایک تیسری قسم کی حالت بھی ہو سکتی ہے، جس میں غیر مسلم برادری نہ تو مفتوح ہوتی ہے اور نہ ہی زیر معاہدہ ہوتی ہے۔ اس تیسری صورت میں حقوق فتح اور معاہدہ کی حالت جیسے نہیں ہو سکتے۔ اسلام غیر مسلم ریاستوں سے بدلے میں اسی طرح کے سلوک کی توقع رکھتا ہے۔ مغرب میں مسلمانوں کو وہی آزادی ملنی چاہیئے، جو مسلم ممالک میں غیر مسلموں کو ملی ہوئی ہے۔ جہاں تک برطانیہ میں مسلمانوں کا تعلق ہے، تو اس ملک میں مسلمان نوجوانوں کی صورت حال سمجھنا ضروری ہے۔ برطانوی معاشرے میں مسلمانوں کو ڈھالنے کی کوششیں، نسلی امتیاز، حقارت، تعصّب اور نفرت سے کبھی بھی پاک نہیں رہی ہیں۔ شناخت کا مسئلہ مسلمان نوجوانوں کے لیے اہم بن گیا ہے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ سیکولر اصولوں پر مبنی معاشرے میں ان کی کوئی جگہ نہیں ہے۔ نسلی تعصّب مسلمان نوجوانوں کے ساتھ امتیازی سلوک کرنے پر منتج ہوا ہے۔ پولیس ہر مسلمان نوجوان کا ریکارڈ رکھتی تھی اور انہیں بنیادی انسانی حقوق حاصل نہیں تھے، جو دوسروں کو حاصل تھے۔ نتیجتاً مسلمان نوجوانوں کو ایک سکیم کے تحت انتہا پسند بنایا گیا۔ جتنا وہ اپنی شناخت کا مطالبہ کرتے اسٹیبلشمنٹ کی جانب سے انہیں اتنا ہی تنہا کیا گیا۔ اب اقلیت کی حیثیت سے مسلمان مذہبی آزادی، مذہبی شناخت اور اپنے مذہبی قوانین پر عمل کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ اسے کبھی بھی غداری کا نام نہ دیا جائے۔

ارتداد اور مسلمانوں اور دیگر کے درمیان دوستی کے مسئلہ پر مزید مطالعے کی ضرورت ہے۔ موجودہ صورت حال نے فقہاء کے نظریات میں بعض تفصیلات کا اضافہ کیا ہے۔ ان پر مزید مباحثے کی ضرورت ہے۔

ڈاکٹر علوی نے ان دونوں مسائل پر اپنا تجزیہ پیش کیا۔ ارتداد کی سزا کے مسئلہ کے بارے میں انہوں نے تجویز دی کہ خاموشی کے ساتھ تبدیلی مذہب اور جارحانہ اقدام کے طور پر تبدیلی مذہب کے درمیان فرق کیا جانا چاہیئے۔ جہاں تک تعلقات کے مسئلے کا تعلق ہے تو ذاتی اور ریاستی تعلقات کے درمیان فرق ہونا چاہیئے۔ معاہدات کی بنیاد بے اعتمادی نہیں ہو سکتی۔ وفاداری کے مسئلے کے بارے میں انہوں نے رائے دی کہ غیر مسلم ممالک میں مسلمان بطور شہری ایک معاہدہ کے تحت رہ رہے ہیں اور بطور



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلمان ان کے معاہدوں کی پابندی کرنا ان پر لازم ہے۔ انہوں نے اپنی بحث اس بات پر ختم کی کہ اسلام میں تمام معاہدات اور تعلقات پر عمل درآمد اللہ اور پیغمبر ﷺ سے وفاداری کے اصول کے مطابق ہوتا ہے اور اس اصول سے خلاف ورزی پر مبنی کوئی تعلق جائز نہیں ہے۔

ڈاکٹر منظور احمد نے کہا کہ اس پینل مذاکرے کا مقصد دور حاضر کے مسائل کا جواب تلاش کرنا ہے۔ پینل کے انعقاد کا مقصد ان استفسارات کے پیش نظر اسلام کے دفاع کے لئے دلائل کی تلاش نہیں۔ درحقیقت ہمارے پاس یہ ایک موقع ہے کہ ہم اپنی حالت سمجھنے کی کوشش کریں۔ دفاعی دلائل سے معذرت خواہانہ رویے کی عکاسی ہوتی ہے۔ اس سے دوسروں کے ساتھ مکالمے کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے۔ مکالمہ کے بنیادی لوازمات یہ ہیں کہ دونوں فریق اپنی خوبیوں اور خامیوں کا جائزہ لینے کے لئے ذہنی طور پر تیار ہوں۔ زیر بحث استفسارات زندگی کے حقیقی مسائل پر مبنی ہیں۔ ان مسائل کو صرف مجرد اصولوں اور عقیدوں تک محدود نہیں کیا جا سکتا۔ انسان صرف عمومی قوانین اور اصولوں پر زندگی نہیں گزار سکتے۔ مثال کے طور پر مذہبی آزادی کا مسئلہ ہی لے لیجئے۔ کوئی بھی مذہبی آزادی کے مفہوم کو سادہ اور آسان الفاظ میں نہیں بیان کر سکتا۔ مذہبی آزادی کا تعلق مذہب پر عمل کرنے سے جوڑنے کی ضرورت ہے۔ مذہبی آزادی کے مسئلے کا تعلق نہ صرف ایک مذہب کے پیروکاروں کا دوسرے مذہب کے پیروکاروں کے ساتھ سلوک سے ہے بلکہ مذہبی آزادی کا تعلق ایک ہی مذہبی روایت کے اندر موجود مختلف مسالک کے ماننے والوں کا ایک دوسرے کے ساتھ سلوک سے بھی ہے۔ اگر مسلمان دوسروں سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ ان کے مذہب کو اختیار کر لیں تو پھر انہیں بھی یہی آزادی مسلمانوں کو دینی چاہیے کہ وہ اگر چاہیں تو اپنا مذہب تبدیل کر سکیں۔ یہی وجہ ہے کہ ارتداد کے مسئلے پر بحث جاری ہے۔ سادہ معنوں میں یہ مسئلہ تجزیہ طلب ہے۔ ایسے سیاسی حل ناقابل عمل ہوتے ہیں جن کی رو سے مسلمانوں کے لئے آزادی کا مفہوم غیر مسلموں کے لئے آزادی کے مفہوم سے مختلف ہوتا ہے۔ ہم غیر مسلم معاشروں میں مسلمانوں کے لئے حقوق کی بات کیسے کر سکتے ہیں اگر ہم غیر مسلموں کو وہی حقوق اپنے معاشروں میں دینے کے لئے تیار نہیں۔

ایک ہی مذہبی روایت کے اندر مذہبی آزادی کا مسئلہ اور بھی زیادہ پیچیدہ ہے۔ کسی مسلمان کے عقیدے کے متعلق فیصلہ دینے کا حق اور اختیار کسے حاصل ہے؟ کسی مسلمان کے خلاف کفر کا فتویٰ صادر کرنے کا کیا جواز ہے؟ فتاویٰ عمومی طور پر کسی خاص عقیدے کی جزئیات سے متعلق ہوتے ہیں، ان کا تعلق کسی مذہب کے بنیادی اصولوں سے نہیں ہوتا۔ ان جزئیات پر بحث کی گنجائش ہوتی ہے کیونکہ ان جزئیات میں آراء کا اختلاف ہو سکتا ہے۔ ان جزئیات میں آراء کے اختلاف ہونے کی وجہ سے کسی کو کافر کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے؟ ان معاملات پر سنجیدہ عالمانہ بحث کی ضرورت ہے۔

اس قسم کے عقاید ایک ایسے اصول پر مبنی ہیں، جو بحث طلب ہے۔ جب ہم اسلامی توضیحات کی بات کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہونا چاہیے کہ فکر اسلامی کے اندر بے شمار مکاتب فکر مثلاً الٰہیاتی توضیح، اشعری، معتزلی اور فلسفیانہ توضیحات موجود ہیں۔ اسلامی قانون کے بارے میں بھی مختلف فقہوں کے اندر مختلف توضیحات ملتی ہیں۔ ان توضیحات میں سے ایک توضیح قیاس ہے جو استنباطی اور تمثیلی ہوتا ہے۔ اس توضیح میں ایک خامی یہ ہے کہ اس میں قرآن و سنت کے ہر متن کو قیاس کے لیے ایک مضبوط بنیاد تصور کیا جاتا ہے لیکن درحقیقت قانون دان/ مفتی (Jurist) اس متن کا انتخاب کرتا ہے جو قیاس کے لئے بنیاد کا کام دے سکے۔ اس سے بحث چلتی ہے کہ منتخب کردہ متن کے مفہوم کے تعین کا طریقہ کیا ہوگا اور مذکورہ مفہوم کا تعین کون کرے گا۔ فکر اسلامی متنوع توضیحات سے مزین ہے۔ دور حاضر میں مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان توضیحات کا مطالعہ کریں اور موجودہ دور کے درپیش مسائل کے حل کے لئے نئی توضیحات کے ساتھ سامنے آئیں۔ ماضی میں علماء نے اپنے زمانے میں اپنے مسائل کے حل کے لئے توضیحات پیش کیں اور ان کو قطعاً یہ توقع نہیں تھی کہ ہم ان کی پیش کی گئی توضیحات سے وابستہ رہیں۔

جناب محبوب صدا نے اس حقیقت پر افسوس کا اظہار کیا کہ اکیسویں صدی کا پوری دنیا میں امن کی صدی کے طور پر استقبال کیا گیا مگر اس کا آغاز انتہائی خوفناک تباہیوں سے ہوا۔ ایک سو سے زائد ممالک جنگوں میں مصروف ہیں حتیٰ کہ کئی ممالک سرد جنگ کے نتیجے میں تباہ ہو گئے ہیں۔ انسانیت ظلم کا شکار ہے۔ پریشان کن بات یہ ہے کہ بعض لوگ دہشت اور نفرت پھیلانے کے لئے جواز تلاش کر رہے ہیں۔ بعض لوگ اسے تہذیبوں کے ٹکراؤ کا نام دے کر اطمینان محسوس کر رہے ہیں اور بعض لوگ اسے

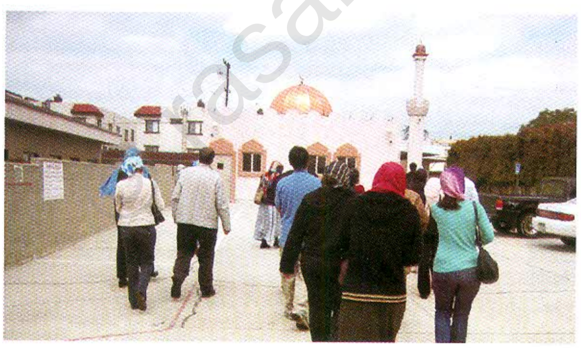

مفادات کی جنگ کا نام دیتے ہیں۔ یہ تمام جواز انتقام، عدم رواداری اور عاقبت نااندیشی کے رویوں کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ کبھی بھی کوئی مذہب ایسی اقدار کی تعلیمات نہیں دیتا مگر عملی طور پر یہ اقدار بھلا دی جاتی ہیں۔

اشد ضروری ہے کہ ہم ان وجوہات کا جائزہ لیں جن کی وجہ سے ہم یہ اقدار بھول جاتے ہیں۔ ہمیں اپنے سکولوں میں درسی کتابوں کا جائزہ لینا ہوگا۔ مذہبی رواداری کے متعلق کہانیوں کی بجائے ان کتابوں میں دیگر تفصیلات پر توجہ مرکوز کرنے کی ضرورت ہے۔ برطانیہ میں بھی عام لوگ یہ تسلیم نہیں کرتے کہ مسلمان دہشت گرد ہیں۔ مسئلہ اصل حقیقت کو ڈھونڈنے کا ہے۔

اسلامی نظریاتی کونسل کا فرض ہے کہ وہ اس بات کا جائزہ لے کہ خرابی کہاں ہے۔ کونسل



© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com